بسم الله الرحمن الرحیم

مشخصات کتاب

نام کتاب: سفرِ محبت

داستان نویس: مجید ملاّ محمدی

ترجمہ، ترتیب وتدوین: سید عقیل حیدر زیدی

ناشر: ادارۂ ارتباطات اسلامی وامور زائرین غیر ایرانی، آستان قدس رضوی، مشہد مقدس

تعداد:

ایڈیشن: طبع اول، ماہ ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ - بمطابق: نومبر 2010ء

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

سفر محبت

۔ارے اُو طاہر۔۔۔! کہاں ہو؟!

طاہر نے سر اُٹھا کر اوپر کی طرف دیکھا، اُسے آسمان گول چھوٹے سے دائرے کی شکل میں نظر آرہا تھا، لیکن کچھ نظر نہ آنے کے بعد، اُس نے اپنے آپ سے کہا: کچھ بھی تو نہیں!۔۔۔ شاید تم خیالاتی ہو گئے ہو یا ممکن ہے کنویں میں جن ہوں جو تجھے تنگ کر رہے ہیں!

اُس نے لاپرواہی سے اپنے سر کو جھٹکا دیا اور کنویں میں مزید نیچے اُترنے لگا، اچانک اُس کی ناک کنویں کی دیوار سے رگڑ گئی، اس کے پورے بدن میں چیونٹیاں سی دوڑنے لگیں! وہ ہمیشہ کی اپنی عادت کے مطابق، کبوتروں کو پکڑنے کے لیے تنگ و تاریک کنویں میں اُترا ہوا تھا، درد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ نیچے اُترتا رہا۔۔۔!

طاہر دُبلا پتلا اور پھرتیلا نوجوان تھا، اکیلے ہی جنگل و بیابان کی خاک چھانتا رہتا تھا، وہ "قنات" کے تمام کنوؤں کو جانتا تھا اور بڑی آسانی کے ساتھ اُن میں نیچے اُتر جاتا، البتہ کنویں کے درمیان تک، جہاں کبوتروں نے اپنے گھونسلے بنائے ہوتے، پھر وہ اپنی کمر سے حمائل تھیلے کو کھولتا اور کبوتروں کو ایک ایک کر کے تھیلے میں ڈالنا شروع کر دیتا، اس کے بعد بڑی برق رفتاری سے باہر آجاتا۔

۔ارے اُو۔۔۔طاہر۔۔۔! کہاں ہو! صالح چکی والے کے بیٹے؟!

طاہر نے دوبارہ سر بلند کر کے اُوپر کی طرف دیکھا اور اپنے کان لگا کر آواز سننے کی کوشش کی، آواز جنوں کی نہیں لگتی تھی، کسی آدم زاد کی آواز تھی! اُس نے عُجلت میں ایک سوراخ میں ہاتھ ڈالا اور اچھی طرح گھما پھرا کر دیکھا، مگر اُس میں کوئی کبوتر نہ تھا۔

۔طاہر۔۔۔؟!

اس دفعہ آواز بالکل کنویں کے نزدیک سے محسوس ہوئی، طاہر ٹھہر گیا، پھر اپنے آپ سے کہا: "ارے۔۔۔ یہ تو عبداللہ ہے، نجم الدین تیل فروش کا بیٹا۔۔۔ چھوڑو! حتماً چاہتا ہے مدد کرنے کے بہانے سے کنویں کے کنارے پر کھڑا ہو اور بالآخر چند کبوتر مجھ سے مفت لے لے۔"

ایک چھوٹا سا سایہ کنویں پر ظاہر ہوا، طاہر نے اپنے آپ کو کنویں کی دیوار کے ساتھ چمٹا لیا۔

اچانک ایک کبوتر طاہر کے چہرے کے سامنے سوراخ سے ظاہر ہوا، اُس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، تاکہ کبوتر کو پکڑ لے، لیکن کبوتر بڑی ہوشیاری کے ساتھ اس کے ہاتھ کے پاس سے پرواز کرتا ہوا کنویں سے باہر نکل گیا۔

عبداللہ کنویں کے دھانے پر بیٹھ گیا اور جھک کر اندر کی طرف نظر ڈالی۔

۔طاہر! تم کہاں ہو۔۔۔؟ باہر آؤ، میرے پاس تمہارے لیے بڑی اہم خبر ہے۔جلدی کرو کہ چچا رستم سفر پر جانے کے لیے تیار ہو رہا ہے!

طاہر نے فوراً اپنے ہاتھ کی پشت سے پیشانی کا پسینہ صاف کیا اور چلا کر کہا: "چچا رستم۔۔۔ سفر۔۔۔ حتماً یہ وہی سفر ہے کہ جس کے بارے میں وہ بتا رہے تھے۔"

۔وہ کنویں کی دیوار سے جدا ہوا۔

۔اے عبداللہ! ذرا صبر کرو، میں ابھی اوپر آتا ہوں!

جلدی میں تھیلہ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور کنویں کی تہہ میں جا گرا، کئی جنگلی کبوتر طاہر کے کانوں کے پاس سے پھڑ پھڑاتے ہوئے باہر پرواز کر گئے۔

طاہر جب کنویں سے باہر آیا تو اُس نے تجسُس اور اشتیاق سے پوچھا: "عبداللہ! پھر سے بتاؤ کہ چچا رستم کیا کہہ رہے تھے؟ جلدی کرو!"

عبداللہ نے جو طاہر کی طرح نوجوان اور قد دراز تھا، اُس کے سینے کے مقابل کھڑے ہو کر جواب دیا: "کل رات چچا رستم ہمارے گھر آئے تھے، انہوں نے میرے بابا سے کہا: "نجم الدین! جو وعدہ تم نے کیا تھا ابھی اُس کے پابند ہو نہ؟ مردِ کے سفر اور فرزند پیغمبر ﷺ کے دیدار کا وعدہ بھول تو نہیں گئے؟!"

طاہر پہلے تو بہت خوش ہوا، لیکن جلد ہی اُس کے چہرے پر ناراحتی کے آثار نمایاں ہوئے اور اس نے غصہ سے ہونٹوں کو بھینچ کر کہا: ''لیکن چچا رستم تو مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے! حتماً اس بار بھی مجھے روک دیں گے اور کہیں گے: ''تیرا اپنے گمشدہ باپ کی عدم موجودگی میں اپنی ماں اور بہن، بھائیوں کے سر پر ہونا ضروری ہے، اُنکا تیرے علاوہ کوئی کفالت کرنے والا نہیں ہے اور وہ اکیلے ہیں۔''

عبداللہ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور کہا: آؤ چلیں طاہر! اپنے دل میں بُرے خیال نہ لاؤ! میں نے کل چچا رستم سے کہا تھا: ''صحیح ہے کہ طاہر کے بابا کی کوئی خبر نہیں! اور فی الحال طاہر ہی اپنے گھر کا سرپرست ہے، لیکن حق یہ ہے کہ طاہر ایک شجاع اور پھرتیلا جوان ہے، آپ کے اس سفر میں ہر دشواری اور خطرے سے اپنی جان پر کھیل جائے گا نیز راہزنوں کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کرے گا۔''

عبداللہ صحیح کہہ رہا تھا، طاہر شجاع اور پھرتیلا جوان تھا، تیر کمان چلانا بہت اچھی طرح جانتا تھا اور گھڑ سواری میں بھی مہارت رکھتا تھا۔

طاہر نے شرمندگی کی ساتھ جواب دیا: البتہ اگر تم دیکھتے ہو کہ میں زیادہ تر کبوتروں کو پکڑنے میں لگا رہتا ہوں، تو یہ بھی فقط ماں اور بہن بھائیوں کی اخراجات پورا کرنے کے لیے ہے۔ میں ان کبوتروں کو مارتا نہیں ہوں، بلکہ اکٹھے کرکے مجبوری میں گاؤں کے سردار کے منشی ''اسفندیار'' کو بیچ دیتا ہوں!۔

طاہر اور عبداللہ تیزی سے خاردار جھاڑیوں سے گزرے۔

گرم ہوا صحرا کی خاردار جنگلی جھاڑیوں میں سرسراہٹ پیدا کر رہی تھی، صبح کا سورج بھی جان لیوا گرمی برسا رہا تھا، زمین گرمی کی شدت سے سخت تپ رہی تھی، وہ دونوں گاؤں کے سردار ''شجاع الدین'' کے وسیع و عریض باغ کے پاس پہنچ گئے۔

طاہر نے غصہ سے باغ کے بڑے سے گیٹ کو گھور کر دیکھا تو اُسے اپنا باپ یاد آ گیا۔ ابھی گزشتہ سال کی ہی بات ہے کہ گاؤں کے سردار کی شکایت پر دارالحکومت کے مامورین شہر سے گاؤں آئے، طاہر کے بابا۔ صالح چکی والے۔ کو گرفتار کر کے شہر لے گئے تھے اور اُسے حاکم کے حوالے کر دیا تھا، چند مہینے گزرنے کے باوجود صالح کی کوئی خبر نہیں تھی!۔

بعد میں چچا رستم کے معلوم کرنے پر دارالحکومت کے مامورین نے بتایا: صالح اُنھی ابتدائی دنوں میں ہی ہمارے ہاتھ سے فرار کر گیا تھا، شاید وہ ہماری سرزمین سے بھاگ کر حجاز (مکہ و مدینہ) یا عراق چلا گیا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ادھر نزدیک کے کسی شہر میں چھپ گیا ہوا۔

طاہر کی آنکھیں یہ سوچ کر اشکبار ہو گئیں۔

اُس گاؤں کے اکثر لوگ شیعہ تھے، لیکن سردار کے خوف کی وجہ سے اپنے عقیدے کا اظہار نہیں کرتے تھے۔

گاؤں کا سردار شیعیان علی علیہ السلام کا دشمن تھا اور اہل بیت پیغمبر علیہم السلام کی نسبت دل میں بہت زیادہ بغض و کینہ رکھتا تھا۔ صالح کا جرم بھی یہی تھا کہ وہ ہر جگہ علی علیہ السلام کا نام لیتا اور لوگوں کو حق کی حمایت کے لیے آمادہ کرتا تھا۔

۔ ارے او۔۔۔ طاہر۔۔۔! تم کن خیالوں میں کھو گئے ہو؟ کیوں یہاں ٹھہر گئے ہو! کیا یہ چاہتے ہو کہ سردار کے نوکر چاکر ہمیں بھی گرفتار کر لیں اور ہم سے اگلوا لیں کہ ہم سفر پر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟!

طاہر نے کہا: ''اگر اُس کو ہمارے ارادے کی ہوا بھی لگ گئی تو ہمارا تو کام ہو جائے گا! اچھا عبداللہ یہ تو بتاؤ! کہ کیا تمہارے بابا نے یہ بھی سوچا ہے کہ ہم گاؤں سے کس طرح نکلیں گے؟!''

عبداللہ نے طاہر کی آستین پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔

۔ اوہ۔۔۔ وہ دیکھو باغ کو دروازہ کھل گیا ہے، جلدی سے آؤ! اگر کسی نے ہم کو دیکھ لیا تو ہمارا کام تمام ہو جائے گا!۔

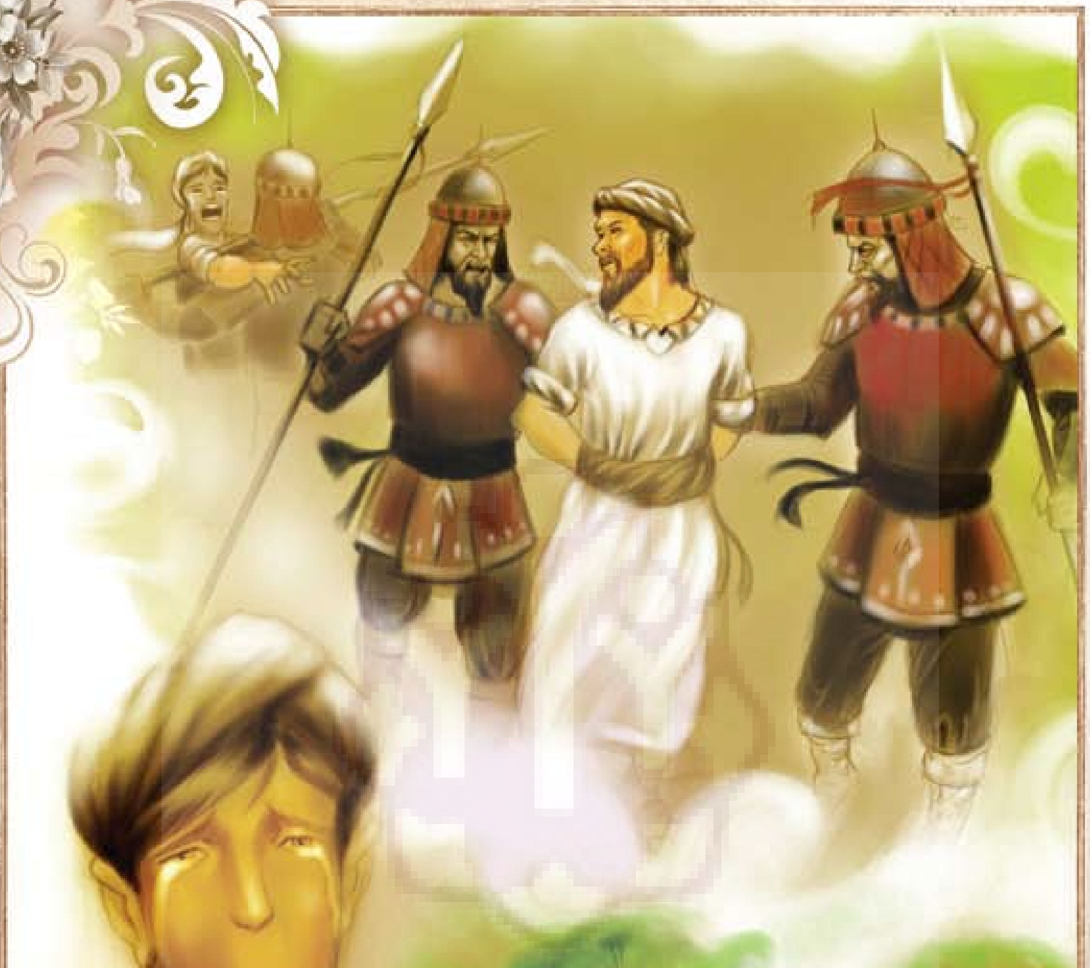

طاہر اور عبداللہ تیزی سے باغ سے ملحقہ کوچہ میں مڑ گئے اور گھر کی طرف تیزی سے دوڑنے لگے، وہ دونوں اس قدر تیز دوڑے کہ خوفزدہ حالت میں ''نجم الدین'' تیل فروش کی چھوٹی سی دکان پر پہنچے اور اس میں چھپ گئے۔

''نجم الدین'' وحشت زدہ ہو کر پیچھے سے چلّایا: ''تم کو کیا ہوا ہے تم دونوں کیا کر کے آئے ہو؟''

دونوں کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا اور سانس سینے میں پھولے نہیں سما رہا تھا، نجم الدین نے اپنے چھوٹے سے کوزے سے ایک پیالے میں پانی بھرا اور پہلے طاہر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا: ''صالح کے بیٹے! لو یہ پانی پیئو تا کہ تمہارا سانس ٹھیک ہو جائے۔''

پھر نجم الدین نے گھور کر عبداللہ کی طرف دیکھا، جو دکان کے کاؤنٹر کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

۔کیا ہوا بیٹے! کیا پھر تمہارا کسی کے ساتھ جھگڑا وغیرہ ہو گیا ہے؟! کہیں ''اسفندیار'' تو تمہارا پیچھا نہیں کر رہا، کیوں تم لوگ انسان نہیں بنتے ہو؟ آخر کب تم لوگ ٹھیک ہو گے؟ کیوں صالح کے تلخ انجام سے۔۔۔؟!

نجم الدین نے فوراً اپنی بات ادھوری چھوڑ دی اور طاہر کی طرف دیکھا جو سر جھکائے بیٹھا تھا، عبداللہ جو اپنے باپ ''نجم الدین'' پر ناراض ہو رہا تھا، زور سے بولا:

۔کیوں بے ربط اور فضول باتیں کر رہے ہو بابا؟! ابھی ہم نے آپ کو کچھ بھی تو نہیں بتایا، اور آپ کے دل میں جو آیا کہہ دیا اور اپنا غصہ اس بندۂ خدا پر اُتار لیا!

نجم الدین جو اپنے کہے پر پشیمان تھا، طاہر کے برابر میں بیٹھ گیا، اُس نے طاہر کا ہاتھ پکڑ لیا اور اپنائیت و مہربانی سے بولا: ''ناراحت نہ ہو طاہر! میں غصہ میں تھا اور معلوم نہیں تمہیں کیا کچھ کہہ بیٹھا۔ آخر تم لوگ بھی تو اچانک بغیر اطلاع کے گھبرائے ہوئے دکان میں گھس آئے تھے۔

میں بے اختیار ہو گیا تھا۔ خداوند تمہارے نیک باپ ''صالح'' کو جہاں کہیں بھی ہے، اپنی حفاظت میں رکھے۔۔۔ آؤ بیٹا۔۔۔ آؤ اس کرسی پر بیٹھ جاؤ! میں تمہارے لیے شہد کا شربت بناتا ہوں، اُٹھو طاہر جان!''

عبداللہ مسکراتا ہوا باپ کے قریب آیا اور پوچھا: ''بابا! کب سفر کے لیے روانہ ہوں گے؟ کیا چچا رستم اس طرف نہیں آئے؟ کیا تمہارے اور ان کے درمیان کوئی اور بات نہیں ہوئی؟!''

نجم الدین نے عبداللہ کو آنکھ سے اشارہ کیا کہ طاہر کچھ نہ سمجھے۔

لیکن عبداللہ نے اس کے نزدیک ہو کر آہستہ سے کہا:

''بابا جان! کیا چچا رستم نے قبول نہیں کر لیا تھا کہ طاہر بھی ہمارے ساتھ چلے گا؟ صرف اس کی ماں ''بلقیس'' سے اجازت لینا ضروری ہو گا۔''

نجم الدین نے دیکھا کہ طاہر بھی اس ماجرا سے باخبر ہے، لہٰذا اس بار اُونچی آواز سے بولا: ''لیکن صالح کی عدم موجودگی میں ''بلقیس خانم'' کو راضی کرنا بھی تو کافی سخت کام ہے۔۔۔ کیوں طاہر جان! کیا اسی طرح نہیں ہے؟!''

طاہر نے سر اُوپر اُٹھایا اور بڑے اشتیاق سے بولا: ''نہیں!۔۔۔ کیا ہمارا یہ سفر، سفرِ تجارت نہیں ہے؟! اماں تو اس بات سے بہت خوش ہوں گی کہ میں تم لوگوں کے ساتھ سفر پر جاؤں، تا کہ تجارت کے کام سے آشنا ہو سکوں!''

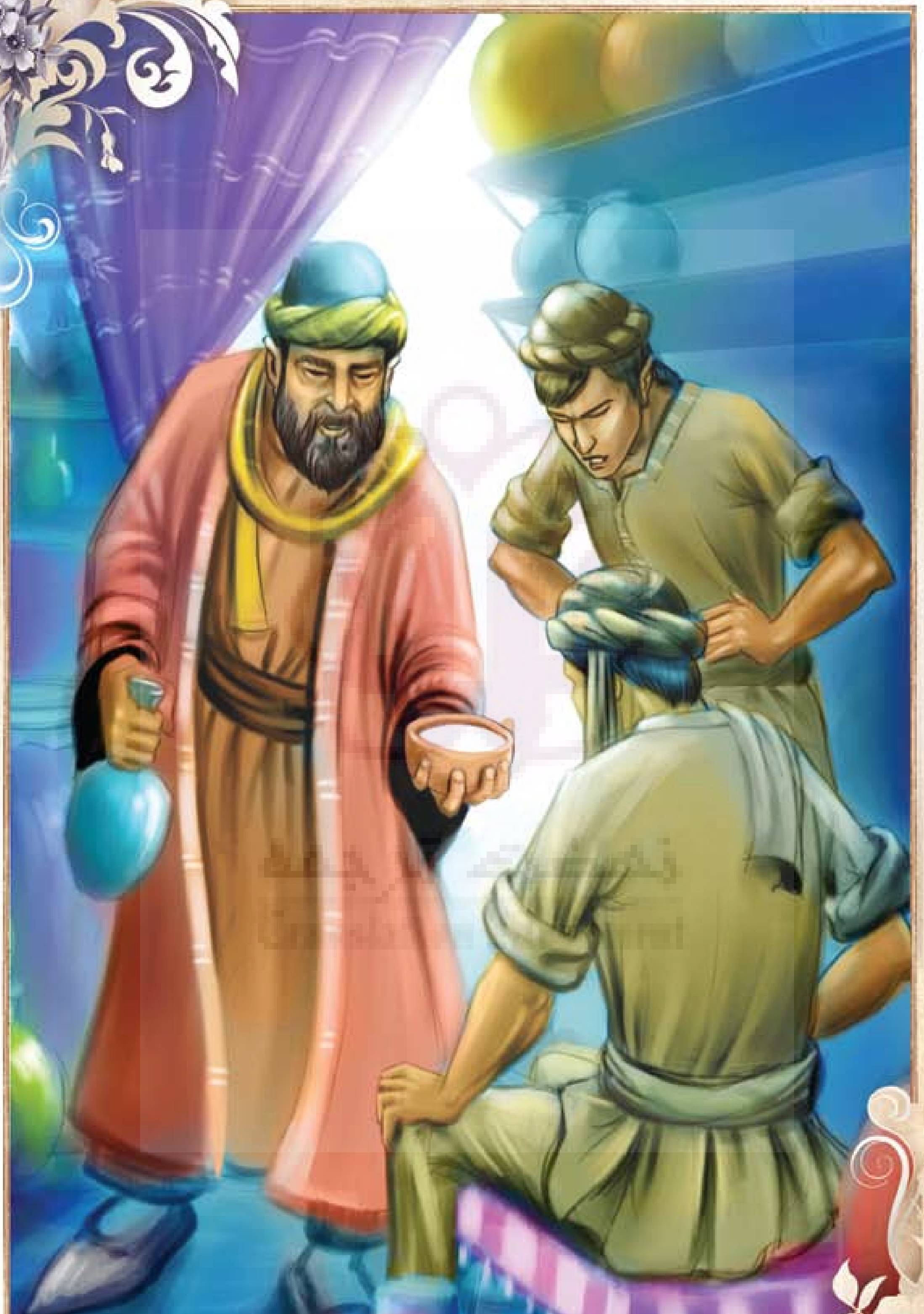

دو روز کے بعد، رات کو چچا رستم (جو پھیری والی تجارت کرتے تھے) طاہر اور رشید حمام والا، نجم الدین کے گھر آئے، تا کہ اپنے ''شہر مروٓ'' کے خفیہ سفر کے بارے میں از سرِنو جائزہ لیں اور اس کے بارے میں مزید بات چیت کریں۔

''مروٓ'' کا سفر کافی طولانی اور کٹھن تھا، انہوں نے کتنے ہی شب و روز سفر کی سختیاں جھیلنی تھیں، نیز ناہموار اور پہاڑی راستوں کو طے کرنا تھا، تا کہ سرزمین خراسان کے اِس بڑے شہر ''مروٓ'' پہنچ جائیں۔

چند مہینے پہلے حکومتی کارندے عباسی خلیفہ مامون الرشید کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے امام رضاؑ کو مدینہ منورہ سے ''مروٓ'' لے آئے تھے، امام کا یہ سفر مامون الرشید کے مجبور کرنے اور سازش کے سبب ہوا تھا، نہ کہ خود امامؑ کے اپنے اختیار سے۔

نجم الدین کے تمام مہمانوں کا دل امامؑ کے دیدار کے لیے بے قرار تھا، چچا رستم جو اُن سب سے بڑا اور تجارت کے پیشے سے وابستہ تھا، اُن سب کے لیے اُس کے ہمراہ سفر پر جانا، بہترین بہانہ تھا، تا کہ لوگوں سے کہہ سکیں کہ وہ نئی اجناس خریدنے کے لیے چچا رستم کے ساتھ سفر پر جا رہے ہیں، کیونکہ وہ دور دراز کے شہروں اور راستوں سے بخوبی واقف ہے۔

رشید حمام والا بوڑھا ہونے کے باوجود، سفر کے لیے تازہ دم اور مستعد نظر آ رہا تھا، لیکن اسد کی جگہ اس محفل میں خالی تھی، کیونکہ چچا رستم نے اُس سے بھی اس سفر میں ساتھ جانے کا وعدہ لیا تھا، اسد اپنی بیوی۔طلیعہ خانم۔ کے یہاں بچے کی ولادت نزدیک ہونے کی وجہ سے گھر میں تھا۔

چچا رستم نے مزید وقت ضائع کیے بغیر گفتگو کا آغاز کیا:

۔میرے خیال میں پرسوں صبح سویرے، سفر پر جانے کے لیے مناسب وقت ہوگا، میں تمام ضروری سامان کو تیار کرتا ہوں، میں نے ''نصرت'' شتربان سے بھی بات کر لی ہے، وہ اپنے چار اُونٹوں اور دو جوان غلاموں کے ساتھ سفر میں ہمارے ہمراہ ہوگا۔

رشید نے پوچھا: ''اُسے ہمارے سفر کے بارے میں تو کچھ پتہ نہیں ہے نہ؟!'' چچا رستم نے جواب دیا: ''نہیں! اُسے فقط اتنا ہی پتہ ہے کہ ہم تجارتی سفر پر جا رہے ہیں، شاید نیشاپور تک۔۔۔ یا شاید اس سے بھی دور تر!''

نجم الدین نے کمرے کے وسط میں رکھے چراغ دان کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اپنی موٹی موٹی انگلیوں کے سروں سے جلی ہوئی بتّی کو جھاڑا اور پھر مڑ کر طاہر کی طرف رُخ کرتے ہوئے کہا: ''خدا کا شکر ہے کہ ''بلقیس خانم'' نے مجھے ''نہ'' نہیں کہا، یعنی پہلے تو وہ راضی نہیں تھی، لیکن بعد میں جب اُس نے چچا رستم کا نام سنا، تو راضی ہوگئی اور کہنے لگی: ''مجھے اطمینان ہے کہ جب میرا بیٹا ''طاہر'' اس سفر پر جائے گا اور انشاءاللہ صحیح و سالم واپس آئے گا، تو ایک مکمل مرد (یعنی گھر کا ذمہ دار فرد) بن جائے گا اور اپنے باپ کی خالی جگہ کو پُر کرے گا۔''

وہ سب یہ سن کر ہنس پڑے، سوائے طاہر کے، جو بڑے اشتیاق کے ساتھ امامؑ کے دیدار کی فکر میں غرق تھا، وہ امام رضاؑ کی زندگی سے متعلق سوائے اُن چند جملوں کے جو چچا رستم نے بتائے تھے، کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ وہی خوبصورت جملے جو اُس نے آج ہی چچا رستم سے بعد از ظہر سفید چشمے کے کنارے سنے تھے:

۔ہم شیعوں کے آٹھویں امامؑ چند ماہ پہلے خلیفہ کے سنگدل گماشتوں کے مجبور کرنے پر اپنے وطن ''مدینہ'' سے مروٓ آئے ہیں۔

۔کس لیے چچا جان؟!

۔معلوم نہیں۔۔۔! شاید اس لیے کہ وہ اپنے شہر سے دور رہیں اور محمد آل محمدؐ کے شیعوں کے ساتھ اُن کا کوئی رابطہ نہ رہے!۔

۔مولاؑ کتنے سال کے ہیں، بوڑھے ہیں یا جوان؟!۔۔۔صورت مبارک کیسی ہے؟! قد بلند ہیں یا متوسط قامت؟!

۔بوڑھے تو نہیں ہیں، البتہ مجھے نہیں معلوم کہ وہ کتنے سال کے ہیں؟ اگر راستے میں کوئی حادثہ پیش نہ آیا اور انشاءاللہ زندہ و سلامت اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے! تو ضرور اپنے امامؑ کی زیارت سے شرف یاب ہوں گے۔

۔زندہ۔۔۔مگر کوئی مشکل ہے؟!۔۔۔

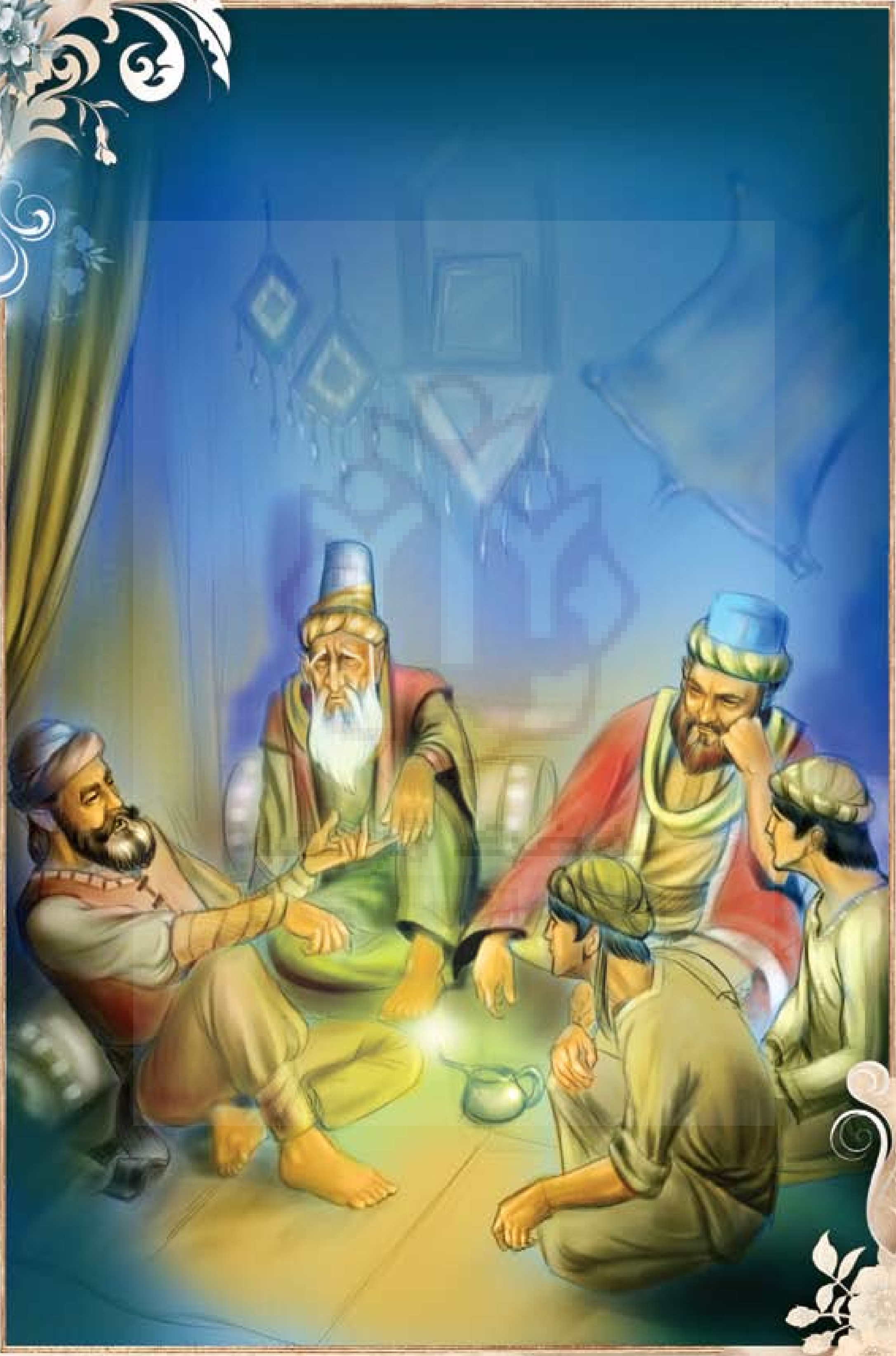

عبداللہ نے طاہر کے پہلو میں آہستہ سے گھونسا مارا، طاہر چونک کر خیالات کے دنیا سے واپس آیا۔

۔ بیٹے کہاں ہو!۔۔۔ ضرور خیالوں میں اتنی آسانی سے "مرو" پہنچ کر امام علیہ السلام کی زیارت کرنے چلے گئے ہو۔۔۔! نہیں بابا! یہ نہ سمجھنا کہ مرو جانا کوئی ایک دو دن یا ایک دو ہفتہ کا کام ہے!

طاہر نے حیران ہوکر بڑی بے تابی سے پوچھا: "یعنی کیا؟! کہیں ہمارا سفر، حج کے سفر کی طرح طولانی تو نہیں!"

عبداللہ، طاہر کی بات کا جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ نجم الدین نے اُسے گھور کر دیکھا اور کہا: "اے لڑکے! کیا ہے۔۔۔ کیوں آہستہ آہستہ کُسر پھسر کر رہے ہو! جاؤ پھلوں کی ٹوکری لے آؤ، جلدی کرو، سُست کہیں کے۔"

پہلے طاہر نے اور پھر سب مردوں نے بلند آواز سے قہقہہ لگایا۔ عبداللہ بڑبڑاتا ہوا اُٹھا اور دوسرے کمرے میں چلا گیا، پھر پھلوں سے بھری ایک ٹوکری اُٹھائے واپس لوٹا۔

چچا رستم نے جن کے لبوں پر ابھی تک مسکراہٹ باقی تھی، کن انکھیوں سے عبداللہ کے قد و قامت پر نظر ڈالی اور نجم الدین سے کہا: "میرے خیال میں یہ دونوں جوان سارا راستہ پیدل ہی طے کریں، کیونکہ ہمارے پاس سواریاں زیادہ نہیں ہیں کہ ان کے بیٹھنے کے لیے بھی گنجائش ہو، جبکہ ہم لوگ بوڑھے اور کمزور بھی ہیں۔۔۔!"

عبداللہ اور طاہر دونوں کی آنکھیں تعجب اور حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں، عبداللہ بولنا ہی چاہتا تھا، لیکن طاہر نے عجلت کرتے ہوئے پوچھا: "چچا جان! کیا آپ یہ چاہتے ہو کہ ہم مقصد تک پہنچنے سے پہلے ہی ضائع ہو جائیں!"

سب مردوں نے ایک بار پھر قہقہہ لگایا۔ نجم الدین نے عبداللہ کے ہاتھ سے پھلوں کی ٹوکری لے کر مہمانوں کے درمیان میں رکھ دی۔ وہ چاہتا تھا کہ ان دونوں جوانوں سے کہے کہ چچا رستم کی باتوں کو واقعی نہ سمجھیں، لیکن اچانک کمرے کی کھڑکی کے پیچھے سے آہٹ سنائی دی۔

چچا رستم نے اپنے آپ کو سمیٹا اور حیرت کے انداز سے پوچھا: "کیا کسی اور کو بھی یہاں آنا تھا نجم الدین؟!"

رشید نے پیچھے ہوتے ہوئے کہا: "دیکھو کتنا بڑا سایہ ہے، کہیں اسفندیار تو نہیں ہے!"

نجم الدین نے خوفزدہ ہوکر کہا: "ہش، آہستہ!۔۔۔ میرا کسی کے ساتھ کوئی پروگرام طے نہیں تھا، فقط اسد نے آنا تھا، لیکن اُس نے اطلاع دی تھی کہ آج رات اُس کا انتظار نہ کریں!"

سب لوگوں نے بے چینی سے نجم الدین کی طرف گھور کر دیکھا۔ نجم الدین نے کھڑکی کے ساتھ کان لگا کر سننے کی کوشش کی، وہاں سے دو آدمیوں کی مبہم سی آواز آ رہی تھی۔ وہ پلٹا اور پریشانی کے عالم میں بولا: "فی الحال کوئی بات نہ کرو، شاید یہ کوئی راہگزر ہوں!"

رشید نے آہستہ سے کہا: "جب میں آ رہا تھا تو میں نے راستے میں نقیب لکڑہارے کو دیکھا تھا، جو اپنے گدھے پر لکڑیاں لادے اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا، جب اُس نے مجھے تمہارے گھر کی طرف آتے دیکھا تو بڑے تعجب سے مجھ پر نگاہ ڈالی تھی۔

چچا رستم نے نجم الدین سے پوچھا: "ہاں۔۔۔ کیا تم نے نقیب کا قرضہ واپس کر دیا؟" نجم الدین نے اپنی خالی اور نرم و ملائم داڑھی کو کھجایا اور کہا: "نہیں۔۔۔ ابھی میرے ہاتھ خالی ہیں، چھوڑو! سفر سے واپس آنے کے بعد دیکھیں گے!"

چچا رستم نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے کہا:

۔ اے مردِ مومن! کیوں اپنے آپ کو اس قرض کے بوجھ سے ہلکا نہیں کرتے ہو؟ وہ بیچارہ بھی تنگدست اور مفلوک الحال ہے اور پھر شیعہ آلِ علی علیہ السلام بھی تو ہے اور اُس کے ہاتھ بھی خالی ہیں۔

۔ ٹک ٹک ٹک۔۔۔!

کسی نے کھڑکی بجائی، سب خاموش ہو گئے، سانس سینوں میں گُھٹ گئے، اب سب گونگے اور بے حرکت تھے۔ نجم الدین خوفزدہ چہرے کے ساتھ کھڑکی کے نزدیک گیا اور آہستہ سے پوچھا: "کون ہے۔۔۔؟!"

۔میں ہوں اسد! دروازہ کھولو!

نجم الدین نے خوشحال ہوکر مہمانوں سے کہا: ''پریشان نہ ہوں، اسد ہے!'' پھر اُس نے صحن میں جا کر دروازہ کھول دیا۔ اسد نے نجم الدین کو دیکھتے ہی بڑے اشتیاق سے بتایا: ''ایک گھنٹہ قبل میرے یہاں بیٹے کی ولادت ہوئی ہے اور میں نے اُس کا نام، امام رضاؑ کے نام پر ''رضا'' رکھا ہے۔'' نجم الدین نے اُس کے چہرے کا بوسہ لیا اور دونوں کمرے میں داخل ہوئے۔

اُس رات اُن سب نے قسم کھائی اور یہ طے کیا کہ اپنے مروؔ کے سفر اور امام رضاؑ کے دیدار کے بارے میں اپنے ہمسفر ساتھیوں کے علاوہ کسی سے کوئی بات نہیں کریں گے، حتیٰ کہ ''نصرت'' شتربان اور اُس کے غلاموں سے بھی کچھ نہیں کہیں گے۔ طے یہ پایا کہ دو روز بعد منگل کی صبح سفر کے لیے روانہ ہوں گے۔

منگل کی صبح بہت سے لوگ چچا رستم کے اس مختصر کاروان کو خدا حافظ کہنے کے لیے میدان میں جمع تھے۔ اس چھوٹے سے کاروان کے مسافروں میں؛ چچا رستم کے ہمراہ طاہر، عبداللہ، نجم الدین تیل فروش، اسد اور رشید حمام والا تھے، جو لوگوں کے خیال میں چچا رستم کی اس تجارتی سفر میں ہمراہی کرنا چاہتے تھے۔

چچا رستم نے اُونچی آواز میں سب لوگوں سے گناہوں کی معافی مانگی اور روانگی کا اعلان کیا۔ لوگ سواریوں کے سامنے سے ہٹ گئے۔ اچانک ''بلقیس خانم'' نے بلند آواز سے روتے ہوئے کہا: ''اے چچا رستم! میں نے طاہر کو پہلے خداوند متعال کو اور پھر تمہارے سپرد کیا، اس کا اچھی طرح خیال رکھنا اور اس کو ایک مضبوط اور تجربہ کار تاجر بنانا۔''

چچا رستم نے سر کو حامی بھرنے کے انداز میں ہلایا۔ عبداللہ اور طاہر دونوں نصرت شتربان کے اُونٹوں پر سوار تھے، طاہر نے نہایت خوشی کے عالم میں عبداللہ کی طرف دیکھا۔ عبداللہ نے آگے جھک کر آہستہ سے کہا: ''کیا واقعی تم نے ابھی تک امام رضاؑ کے بارے میں کچھ سوچا ہے؟۔۔۔ مثلاً یہ کہ اُن کی شکل و صورت مبارک کیسی ہے! جب وہ ہمیں دیکھیں گے تو ہم سے کیا کہیں گے و۔۔۔

طاہر نے مسکراتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا: ''یقین کرو چند روز سے میرے تمام ہوش و حواس کا محور وہی ہیں، خدا کرے ہم صحیح و سالم ''مروؔ'' پہنچ جائیں اور فرزند رسول خداﷺ کی زیارت سے شرف یاب ہوں۔''

۔ارے اُو رشید صبر کرو! اچانک سب لوگ خاموش ہوگئے اور سب کے سر باغ سے میدان کی طرف آنے والے کوچہ کی طرف مڑ گئے۔ ایک گھڑسوار میدان میں وارد ہوا اور کاروان والوں کے نزدیک آ گیا۔ وہ سردار ''شجاع الدین'' کا غلام تھا، جو فوراً رشید کے سامنے گیا اور تند و تیز لہجے میں بولا: ''اُو رشید! میرے مالک نے کہا ہے کہ تین سو کلو گندم جس کے تم مقروض ہو، اُس کے بدلے سفر سے میرے لیے ڈرائی فروٹس، مصالحے اور دوائیاں لے آنا، سن لیا ہے نہ!''

اچانک رشید کو بھی طیش آ گیا، وہ غصہ سے چلّایا: ''کون سا قرض؟ میں نے تو گزشتہ سال کا خراج (سرکاری مالیات) دے دیا ہے، میرے پاس گندم نہیں تھی، اس لیے کہا تھا کہ سردار اور اس کے اہل خانہ ایک سال تک مفت حمام آئیں!''

غلام کچھ کہے بغیر ہوا کی تیزی سے واپس لوٹ گیا۔

گھوڑے اور اُونٹ آہستہ آہستہ چلنا شروع ہوئے، اچانک طاہر کے دل میں خیال آیا کہ اُونٹ سے نیچے آئے اور اپنے سفر کی حقیقت اپنی ماں کو بتا دے۔ ''بلقیس خانم'' امانت دار خاتون تھی اور یقیناً کسی کو کچھ نہ بتاتی۔ اس طرح طاہر بھی مطمئن ہو جاتا کہ اُس نے ماں کی رضامندی سے سفر کا آغاز کیا ہے، اُس نے اُونٹ کو بٹھانے کی کوشش کی لیکن قاصر رہا۔۔۔!

چچا رستم نے پہلے نصرت شتربان کو بتایا تھا کہ: ''ہمارا سفر خراسان کے کسی ایک شہر کی طرف ہے، لیکن ابھی معلوم نہیں ہے کہ کونسا شہر۔۔۔شاید نیشابور یا شاید اُس سے بھی دور تر کوئی شہر۔'' لیکن نصرت کی طرف سے اُسے اطمینان تھا کہ اگر کسی دور کے شہر بھی جانا پڑا تو وہ کوئی مخالفت نہیں کرے گا، کیونکہ اُسے اُسکا کرایہ (اُجرت) مل جائے گا، لیکن اس وجہ سے کہ نصرت سادہ لوح انسان تھا، اُسے مروؔ کے سفر کے بارے میں بتانے کے لیے چند روز صبر ضروری تھا، کیونکہ ممکن تھا کہ خلیفہ کے گماشتے راستہ میں ظاہر ہو جائیں اور اُس سے زبردستی سب کچھ اُگلوالیں۔

کاروان سخت دشوار اور چٹانی راستوں کو طے کرتا ہوا، بیابانوں اور پہاڑی راستوں سے گزرتا ہوا آگے بڑھتا رہا، دن رات تیزی سے گزرتے رہے۔ چچا رستم ہر مرحلے پر خدا کا شکر ادا کرتا رہا کہ اس کا یہ کاروان کسی بھی مقام پر کسی خطرے سے روبرو نہیں ہوا اور سب لوگ اب تک صحیح و سالم اور تازہ دم تھے۔ غروب کے وقت راستے کی ایک منزل پر کاروان نے ایک صحرائی گڈرایئے کی جھونپڑی کے نزدیک پڑاؤ ڈالا، مناسب وقت تھا کہ چچا رستم اپنے سفر کی حقیقت نصرت شتربان کو بتادے، لہٰذا اُس نے نصرت کا ہاتھ پکڑا اور بیابان کی سیر کے بہانے اس کے ساتھ کاروان والوں سے دور ہو گیا، چچا رستم نے پہلے مقدمہ بندی کی، پھر بڑے مختصر الفاظ میں اپنے سفر کے بارے میں اُسے آگاہ کیا۔

نصرت شتربان جو کسی خیال میں غرق تھا، اچانک رونے لگا اور اشک اُسکے رخساروں پر جاری ہوگئے، چچا رستم نے حیرت سے پوچھا: ''کیا ہوا، تم رو کیوں رہے ہو شتربان؟!'' نصرت شتربان نے جواب دیا: ''چچا رستم حقیقت یہ ہے کہ میں نے سفر سے ایک رات پہلے ایک عجیب خواب دیکھا ہے!''

۔کونسا خواب؟! جلدی سے مجھے بتاؤ!

نصرت شتربان نے بتانا شروع کیا: ''میں خواب میں ایک سفید چشمے کے کنارے اپنے اُونٹوں کو پانی پلا رہا تھا کہ وہاں پر ایک گھڑسوار آیا، جس نے سرتاپا جامہ سفید تن کیا ہوا تھا، حتی کہ اُس نے اپنے سر اور چہرے کو بھی سفید شال سے ڈھانپا ہوا تھا۔''

چچا رستم نے ہیجان زدہ ہو کر پوچھا: ''اچھا یہ تو بتاؤ وہ سوار شخص کون تھا اور تم سے کیا چاہتا تھا؟!''

نصرت نے جو بات کرتے ہوئے ہکلا رہا تھا، جواب دیا: وہ میرے نام سے بھی واقف تھا، اُس نے مجھ سے کہا: ''نصرت! جلدی اپنے اُونٹوں کو سیراب کرو کہ تمھیں ایک طولانی اور دور دراز کا سفر درپیش ہے، ایک شیرین اور یادگار سفر!'' جب میں ہوش میں آیا اور بولنا چاہا تو وہ اپنے گھوڑے کا رخ موڑ چکا تھا، اور آہستہ آہستہ واپسی کے لیے آگے بڑھ رہا تھا، میں دوڑ کر نزدیک گیا اور چلاّ کر پوچھا: ''کہاں کا سفر اجنبی؟۔۔۔اور کس لیے؟!''

سوار نے گھوڑے سے رُخ موڑا اور بولا: ''فرزند پیغمبرؑ کے دیدار کے لیے! پھر وہ تندی باد کی طرح مجھ سے دور ہوگیا۔ اور اب۔۔۔اب میں تمہارے سفر مروؔ کے ذکر سے اپنے خواب کی تعبیر کی طرف متوجہ ہوا ہوں۔''

چچا رستم نے نصرت شتربان کو اپنے سینے سے لگا لیا اور دونوں اُونچی آواز سے گریہ کرنے لگے۔ نصرت شتربان نے اپنے کاندھے پر پڑے شال سے اشک پونچھے اور پھر بولا: ''میں نے علی بن موسی الرضاؑ کا نام بہت سنا ہے، ابھی ایک ماہ پہلے ہی جب میں اپنے اُونٹوں پر کپاس لادھ کر لا رہا تھا، رات کے وقت میں نے سبزوار کے نزدیک صحرا میں ایک شیعہ شخص کے یہاں پڑاؤ ڈالا، وہ شخص امام رضاؑ کی زیارت کر چکا تھا اور اس نے ان کے نیشاپور کے سفر کی بڑی خوبصورت باتیں بیان کیں۔''

چچا رستم نے غیر اختیاری طور پر نصرت شتربان کا ہاتھ پکڑا اور کہا: ''میرے ساتھ آؤ، جلدی کرو۔۔۔!'' نصرت نے حیرت سے پوچھا: ''کس لیے۔۔۔کیا ہوگیا چچا رستم؟!''

۔آؤ اور میرے ہمسفر سب ساتھیوں کو اپنی باتیں بتاؤ، جلدی کرو شتربان!۔

چچا رستم کا کاروان کئی دن سفر کرنے کے بعد بالآخر شہر ''مروٗ'' کے دروازے پر پہنچ گیا، شہر کا بڑا دروازہ کھلا ہوا تھا اور لوگ اپنی اپنی سواریوں کے ساتھ آجا رہے تھے، چچا رستم تھکا ہارا اپنے گھوڑے سے نیچے اُترا اور اُس نے دوسروں کو بھی اُترنے کا اشارہ کیا۔

ٹھنڈی بادِ نسیم نے مروٗ کے مسافروں کا استقبال کیا اور انہوں نے مشتاقانہ اپنے سروں اور چہروں سے شال کھول دیئے، رشید جو بڑے شوق سے دروازے کو دیکھ رہا تھا، بولا: ''یقیناً اُن کا گھر اس دروازے کے نزدیک ہے!''

طاہر اور عبداللہ خوشی خوشی آگے بڑھے، چچا رستم نے پیچھے سے آواز دی: ''صبر کرو، ضروری ہے احتیاط کے ساتھ شہر میں داخل ہوں، کیا تم لوگ بھول گئے کہ ہم تجارت کے لیے یہاں آئے ہیں!''

طاہر اور عبداللہ ٹھہر گئے۔ چچا رستم اُن سے آگے آگے چل پڑا۔ نصرت جس کی خوشی کا کوئی عالم نہ تھا، آہستہ آواز کے ساتھ اپنے اُونٹوں کو پیچھے کھینچنے لگا۔ دروازے کے دونوں طرف بلند قامت سیاہ لباس میں ملبوس دو محافظ کھڑے تھے۔ یہ سب لوگ بڑے آرام کے ساتھ محافظوں کے پاس سے گزرتے ہوئے شہر مروٗ میں داخل ہوگئے۔

مروٗ وسیع و عریض اور خوبصورت شہر تھا، چوڑی گلیاں اور قدیمی درخت موجود تھے، گھروں کے صدر دروازے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اینٹوں سے چنائی کئے گئے تھے، دور سے ہی مسجد کے بلند و بالا اور خوبصورت منارے نظر آرہے تھے۔ اسد جو تھکا ماندہ اور بے جان سب سے پیچھے آرہا تھا، چلّایا: ''کم از کم اس چشمے کے نزدیک ٹھہر کر تازہ دم ہو جائیں، مجھ میں مزید چلنے کی طاقت نہیں ہے!''

چچا رستم بولا: ''اسد ٹھیک کہہ رہا ہے، تازہ دم بھی ہو جاتے ہیں اور اپنی ظاہری حالت بھی ٹھیک کر لیتے ہیں۔''

ایک خوبصورت عمارت کے سامنے پانی کا بڑا سا حوض بنا ہوا تھا، اس گول حوض کے وسط میں نیلے فیروزی رنگ کی کاشی سے مزیّن پتھر کا فوارہ تھا اور اس کے چورس شکل کے دہانے سے ٹھنڈا اور شفاف پانی نکل رہا تھا۔ انہوں نے بڑی حیرت سے اس حوض اور فوارے کو دیکھا، کیونکہ وہ اپنے خیالوں میں یہ سوچ رہے تھے کہ ایک اُونچے اور عمودی چشمے کے سامنے کھڑے ہیں۔ چچا رستم کے اشارے پر وہ سب اپنا اپنا ہاتھ منہ دھونے میں مشغول ہوگئے۔

۔ اچھا یہ تو بتاؤ امام رضاؑ کا بیت الشرف کہاں ہے؟!

چچا رستم ہکلاتے ہوئے بولا: ''مجھے۔۔۔ مجھے نہیں معلوم!''

نصرت نے اپنی لمبی داڑھی کو کھجایا اور بولا: ''میں بھی آج تک مروٗ نہیں آیا ہوں۔'' رشید کھڑا ہوا اور بولا: ''اس میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں، کسی رہگذر سے پوچھ لیتے ہیں!'' لیکن نجم الدین نے اُسے روک دیا۔

۔ ہمیں احتیاط کرنے کی ضرورت ہے، اگر وہ ہماری طرف سے مشکوک ہوگئے اور انہوں نے حکومتی اہلکاروں کو اطلاع دے دی تو کیا ہوگا؟! چچا رستم بولا: ''میں کسی سے پوچھتا ہوں! تم لوگ اُن درختوں کے پاس چلے جاؤ!''

سب لوگ اپنی اپنی سواریوں کو لے کر شہتوت کے چند درختوں کے پاس چلے گئے۔ چچا رستم کافی دیر کسی سے پوچھنے کی کوشش کرتا رہا، بالآخر ایک درمیانی عمر کا شخص اپنی گائے کی رسی پکڑے ظاہر ہوا۔

۔ السلام علیکم بھائی! کیا تمہیں علی بن موسی الرضاؑ کا گھر معلوم ہے؟

وہ شخص ٹھہر گیا اور گہری نظر چچا رستم پر ڈالی، پھر بولا: ''اجنبی ہو؟! حتماً شہر ری سے۔۔۔ یا طبرستان، یا پھر تبریز سے آئے ہو؟!'' چچا رستم سہم سا گیا اور اُس نے دل میں سوچا: ''یہ شخص میرے بارے میں کیا کیا فکر کر رہا ہے، کہیں ایسا تو نہیں۔۔۔!''

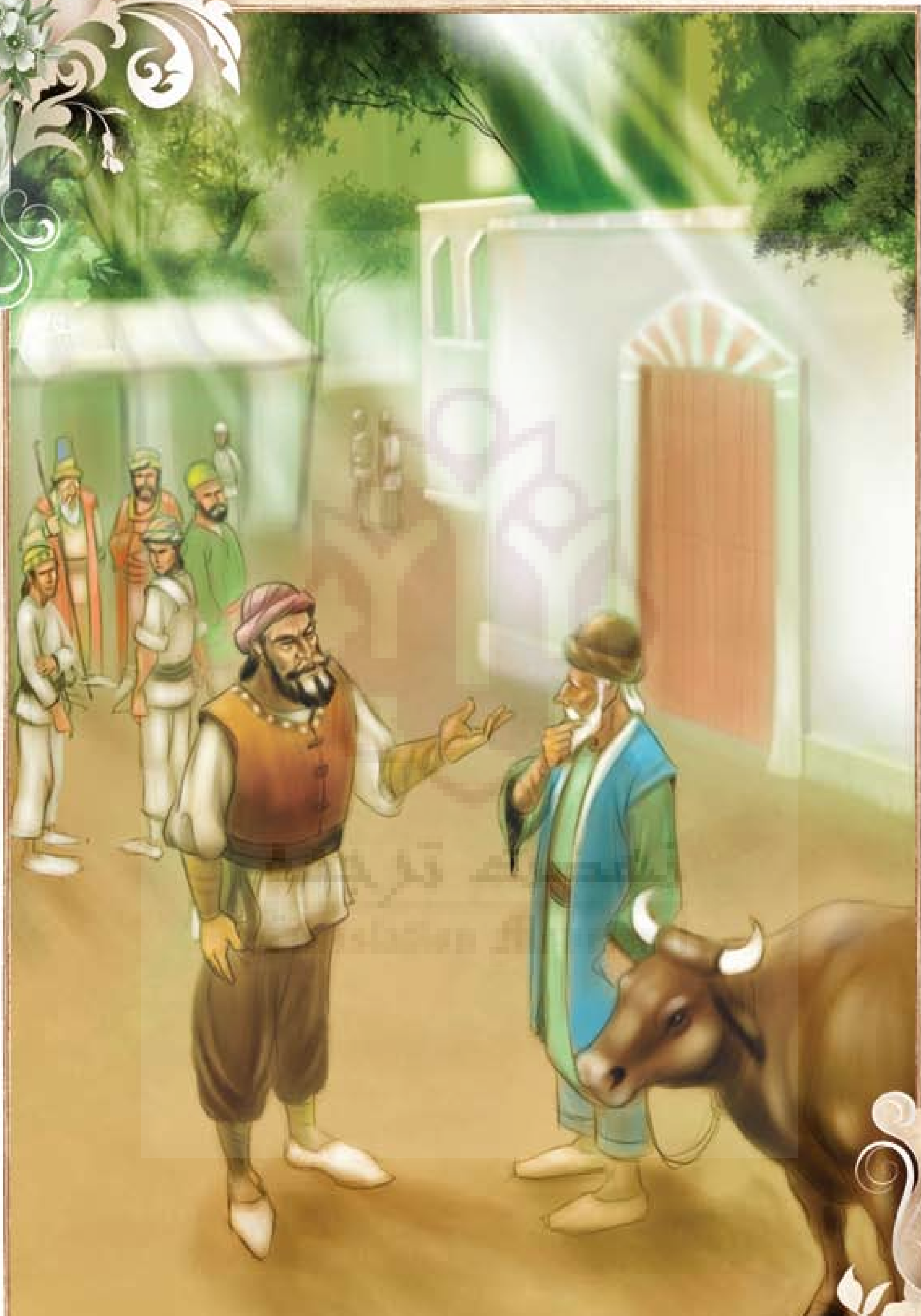

مروٗ کے رہنے والے شخص نے چچا رستم کا ہاتھ محبت اور اپنائیت سے دبایا اور بولا: ''تم جہاں کے بھی ہو، مسلمان ہو اور اجنبی ۔۔۔ دیکھو وہ عمارت جو نظر آرہی ہے، اس کے ساتھ ہی ایک نہر گزر رہی ہے، اس نہر کے آخر تک جاؤ گے تو فرزند رسول خداؐ کے گھر تک پہنچ جاؤ گے، وہ ہمارے بہت ہی عزیز اور محترم مہمان ہیں!''

چچا رستم نے محبت سے مروی شخص کی پیشانی کا بوسہ لیا، پھر اپنے ساتھیوں کے پاس آ کر تمام ماجرا بیان کیا۔ کچھ ہی دیر کے بعد چچا رستم اور دوسرے مرد امام رضاؑ کے بیت الشرف کے سامنے کھڑے تھے، اُن میں سے کسی کا بھی دل اُن کے قابو میں نہ تھا، خوشی کے عالم میں ہر ایک چاہتا تھا کہ آگے بڑھ کر دقّ الباب کرے، لیکن رشید جو سب سے آگے تھا، اُس نے بڑھ کر لوہے کی کنڈی کو چند بار زور سے بجایا۔ گھر کا بوڑھا خادم باہر آیا اور اُن سب کو سلام کیا اور خندہ روئی سے اُن کا حال واحوال دریافت کیا۔

نجم الدین نے بولنے میں دوسروں پر سبقت کی۔

۔ ہم بہت دور سے آئے ہیں کئی شب و روز راستے میں رہے ہیں، ہم حضرت علی بن ابی طالبؑ کے شیعہ ہیں اور اُن کے فرزند پاک حضرت ابوالحسن علی بن موسیٰ الرضاؑ کی زیارت کے مشتاق ہیں۔ خدمتگار گھر کے اندر چلا گیا۔ اب طاہر و عبداللہ دوسروں سے آگے کھڑے تھے، سب کے دل تیزی سے دھڑک رہے تھے اور بے چینی و اضطراب کی کیفیت ان سب سے نمایاں تھی۔ خدمتگار لوٹ آیا، لیکن اس بار اس کا چہرہ مرجھایا ہوا تھا!

۔ امامؑ نے فرمایا ہے آپ لوگ چلے جائیں، فی الحال وہ آپ کے ساتھ ملاقات نہیں کر سکتے!

سب کھلے منہ اور پھٹی آنکھوں کے ساتھ حیرت زدہ ہو کہ خادم کو دیکھ رہے تھے۔ چچا رستم میں سوال کرنے ذرا بھر بھی طاقت و ہمت نہیں تھی۔ خدمتگار فوراً گھر لوٹ گیا اور گھر کا دروازہ بند کر دیا۔

۔ چچا رستم! کیا ہوا؟! چچا رستم نے طاہر، عبداللہ اور اپنے ساتھیوں کو مطمئن کرنے کے لیے کہا: ''شاید امامؑ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپؑ کے پاس مہمان ہوں۔ چلتے ہیں، ایک دن کے بعد آئیں گے۔ وہ لوگ اُس دن شہر مروٗ میں سرگردان رہے۔ بالآخر انہیں آرام کرنے کے لیے ایک کاروانسرا مل گیا۔

دوسرے دن صبح سویرے دوبارہ امام رضاؑ کے در اقدس پر پہنچے، لیکن امامؑ نے پھر اُن کو شرف ملاقات نہ بخشا۔ چچا رستم اور اُس کے ساتھی پریشان اور دل گرفتہ اپنے کاروانسرا پلٹ آئے، یہی ماجرا چند روز تک تکرار ہوتا رہا، تیسرے دن، چوتھے دن ۔۔۔ گیارہویں دن، بارہویں دن ۔۔۔ ہر بار امامؑ کا خدمتگار اُنہیں جواب دے کر دروازہ بند کر دیتا۔ وہ پریشان اور تھکے ہارے، بغیر اس کے کہ شہر مروٗ میں گردش کریں، کاروانسرا لوٹ آتے۔ وہ خوف زدہ تھے کہ کسی سے اس بارے میں بات کریں یا کاروانسرا کے مالک سے کچھ کہیں، وہ آپس میں بھی بلند آواز سے اس بارے میں بات نہیں کر سکتے تھے۔

چچا رستم کو تو جیسے چپ سی لگ گئی تھی، رشید ہمیشہ کاروانسرا کے صحن میں چبوترے پر بیٹھا پیچ و تاب کھاتا رہتا۔ نجم الدین اور اسد ابتدائے شب ہی میں سو جاتے، طاہر اور عبداللہ زیادہ تر اپنا وقت شہر کی بڑی مسجد میں، جو کاروانسرا کے نزدیک ہی تھی، گزارتے۔ وہ ہر روز بعد از ظہر اکٹھے ہوتے اور آہستہ مخفیانہ طور پر امامؑ سے دوبارہ ملنے کا مشورہ کرتے۔ لیکن اگلے دن وہی گزشتہ روز کا واقعہ تکرار ہوتا۔

ایک دن رشید نے باقی افراد کو مخاطب کر کے کہا: ''لگتا یہ ہے کہ امام رضاؑ کو ہمارے ساتھ ملاقات کرنا پسند نہیں ہے، بہتر یہ ہے کہ ہم اپنے شہر لوٹ جائیں!'' اسد نے حیرت سے پوچھا: ''لوٹ جائیں؟!''

نجم الدین نے غصّے سے اُن کی طرف دیکھا، آہ بھری اور بولا: ''اگر ہم یہ ماجرا اپنی بیویوں کو بتائیں، یا کوئی دوسرا سن لے، تو ضرور ہمیں ملامت کرے گا اور دشمن بھی ہمارا مذاق اُڑائیں گے!''

اچانک چچا رستم کھڑا ہو گیا اور آنکھوں میں اُمید کی کرن کے ساتھ بولا: ''کل جائیں گے اور امامؑ کے خدمتگار کو یہ سب باتیں بتائیں گے، شاید ۔۔۔ شاید امام شرف ملاقات بخشیں!''

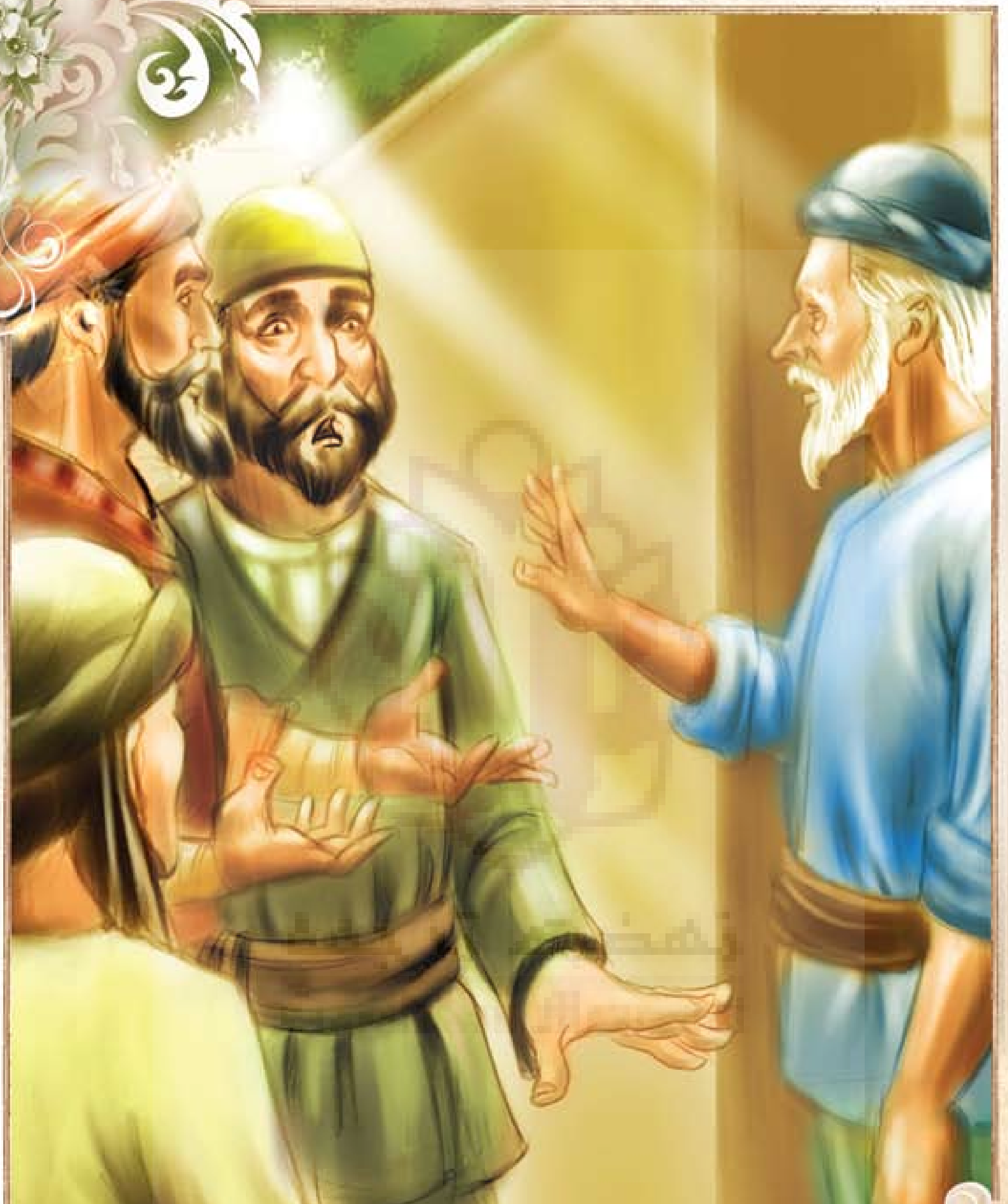

خدمتگار مسکرایا اور بولا: ''امامؑ بلا رہے ہیں، میرے ساتھ آؤ!''

طاہر اور عبداللہ نے خوشی سے ایک دوسرے کو گلے لگایا۔ پچار ستم، رشید اور نصرت کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ غلاموں نے خوشی سے عطر کی چند شیشیاں، جو پچار ستم اور اُس کے ساتھی امام رضاؑ کے لیے لائے تھے، اپنی چھوٹی چھوٹی تھیلیوں سے باہر نکالیں، سب لوگ شوق اور عقیدت کے ساتھ بیت الشرف کے اندر داخل ہوئے۔ گھر سے پھولوں کی مہک آ رہی تھی، گھر کے چھوٹے سے کنویں کے پاس، ایک بڑے درخت کے نیچے امام رضاؑ اُن کے منتظر کھڑے تھے۔ آپؑ نے سفید لباس زیب تن اور سر پر سبز عمامہ رکھا ہوا تھا، مرو کے مسافر اس قدر آپؑ کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر مبہوت ہوئے کہ سلام کرنا بھی بھول گئے۔ لیکن امامؑ نے سلام کیا۔

نصرت بے اختیار آگے دوڑا اور پھر تیزی سے بولا: ''سلام آقا!'' لیکن کنویں کے پاس پہنچ کر خاک پر گر پڑا اور اونچی اونچی آواز سے رونے لگا۔ رشید نے غمگین آواز میں پوچھا: ''اے فرزندِ رسول خداﷺ! آپؑ کیوں ہمارے ساتھ مہربان نہیں ہیں اور اتنے دن آپؑ نے ہمیں انتظار کروایا ہے؟!''

امام رضاؑ نے بات کرنے کے لیے لب کشائی فرماتے ہوئے قرآن کریم کی آیت تلاوت کی:

۔ ہر مصیبت جو تم پر آتی ہے، تمہارے اُن کاموں کی وجہ سے ہے جو تم نے انجام دیئے ہیں اور خداوند بہت سے گناہوں کو بخش دیتا ہے!

ان لوگوں نے ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھا، طاہر اور عبداللہ، جو امامؑ کا مقصود نہیں سمجھے تھے، پریشان ہو کر پچار ستم کا منہ تکنے لگے۔ امام رضاؑ نے فرمایا: ''میں نے تمہارے ساتھ ملنے میں خدا، اُس کے رسولﷺ، امیر المومنینؑ اور اپنے پاک آباء و اجداد کی پیروی کی ہے!''

نجم الدین نے حیرت سے پوچھا: ''لیکن کیوں؟! آخر ہم کس گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں؟''

امامؑ نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا: ''تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ تم امیر المومنینؑ کے شیعہ ہو۔۔۔ وائے ہو تم پر! جان لو کہ علیؑ کے شیعہ تو حسنؑ، حسینؑ، سلمانؓ، ابوذرؓ، مقدادؓ، عمارؓ، اور محمد بن ابی بکرؓ جیسے افراد ہیں، جنہوں نے ہرگز آپؑ کے دستورات سے روگردانی نہیں کی اور کبھی اس کام کو، جس سے آپؑ نے روکا ہو انجام نہیں دیا۔ تم کہتے ہو: ہم شیعہ ہیں، لیکن تم لوگ اپنے اکثر کاموں میں قصوروار ہو، تم واجبات کو انجام دینے میں کوتاہی کرتے ہو، اپنے دینی بھائیوں کا حق دینے میں سستی کرتے ہو۔۔۔ تم کہتے ہو ہم علیؑ اور اُن کو چاہنے والوں کو دوست رکھتے ہیں اور اُن کے دشمنوں سے دوری اختیار کرتے ہیں؛ لیکن اگر تمہارا کردار، تمہاری اس گفتار کا آئینہ دار نہ ہوا تو تم ہلاک ہو جاؤ گے، مگر یہ کہ توبہ کر لو اور اپنے گزشتہ گناہوں کا جبران کرو، تا کہ خداوند تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے۔''

پچار ستم کو اپنے گھر کی یاد آ گئی، جس کا آدھا حصہ اُس کے یتیم بھتیجوں کا حق تھا، لیکن وہ اُن کو اُن کا حق نہیں دے رہا تھا۔ رشید کے خیالوں میں اُس کا غیبت کرنا اور ہر روز لوگوں کے متعلق بیہودہ گفتگو کرنا، تازہ ہو گیا، اسد نے دل ہی دل میں کہا: وائے ہو مجھ پر کہ ہر سال جھوٹ بول کر اپنی گندم کے خرمن کو اس سے بھاری وزن کے ساتھ خریدار کو بیچ دیتا ہوں۔ فقیر و تنگدست لکڑہارے ''نقیب'' کے قرض کی یاد نجم الدین کو اذیت و تکلیف دے رہی تھی۔ طاہر نے اپنی ماں ''بلقیس'' کی آواز سنی جو کہہ رہی تھی: ''بیٹے! کیوں مجھ سے مرو کے سفر کی اجازت نہیں لی، میں تجھ سے راضی نہیں ہوں!'' عبداللہ کے فکر و خیال میں ہر روز اپنی ماں کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آنا اور اس کے دل کو توڑنا، اذیت کا باعث تھا!

مرو کے ان مسافروں نے رونا شروع کر دیا۔ اُن کے درمیان سے رشید آگے بڑھا اور عرض کیا: ''اے فرزند پاک پیغمبرﷺ! ہم نے اشتباہ کیا ہے اور توبہ کرتے ہیں۔'' اسد نے ہکلاتے ہوئے بات آگے بڑھائی: ''ہم اپنی گزشتہ برائیوں کا جبران کریں گے، وعدہ کرتے ہیں!'' دوسروں نے بھی اُسکی بات کی تائید کی۔

امام رضاؑ کے نورانی چہرے پر تبسّم ظاہر ہوا اور آپؑ نے اُن پر محبت آمیز نظر کرتے ہوئے فرمایا: ''آفرین ہو تم پر! اے بھائیوں اور دوستوں۔۔۔!'' اور اُن کو گلے لگانے کے لیے اپنے بازو پھیلا دیئے۔ پھر امامؑ نے ان میں سے ہر ایک کو گلے لگایا اور اپنے خدمتگار سے پوچھا: ''تم نے کتنی دفعہ ان کو اجازت نہیں دی کہ یہ ہمارے پاس آئیں؟''

۔ کئی دفعہ!

امام رضاؑ نے نہایت مہربانی سے فرمایا: ''اب تم اتنی ہی دفعہ ان کے پاس جاؤ اور میرا سلام انہیں پہنچاؤ! یہ توبہ کر کے اپنے گناہوں سے پاک ہو گئے ہیں اور ہماری دوستی کی وجہ سے اکرام و احترام کے لائق ہیں۔ ان کی مدد کرو اور جو ان کی مشکل ہو، حل کرو، جس چیز کی ان کو ضرورت ہو، جیسے راشن اور پیسے وغیرہ، ان کو دو۔۔۔!''

خدمتگار نے حکم کی تعمیل کی۔ مرو کے مسافروں نے خوشی کے ساتھ امامؑ کے حجرے میں قدم رکھا۔ طاہر جسے زیادہ اشتیاق کی وجہ سے آرام حاصل نہ تھا، اچانک اُسے اپنی ماں ''بلقیس'' کی آواز کانوں سے ٹکراتی ہوئی محسوس ہوئی، جو کہہ رہی تھی: ''بیٹا! میں نے اپنا دودھ تمہیں بخش دیا، فرزند رسولؑ کو میرا سلام بھی عرض کرنا اور کہنا: دعا کریں کہ تمہارے بابا صالح کی ہمیں کوئی اچھی خبر ملے۔''

(سورۂ شوریٰ/۳۰)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”رحم اللہ والداً أعان ولده علی البرّ“(۶) ”خدا اس باپ پر رحم فرمائے جو نیکی کے کاموں میں اپنی اولاد کی مدد کرے۔“